لذتِ آشنائی

(۲)

(ملاقاتیں اور باتیں)

نذر صابری

ادارہ فروغ تجلیات صابریہ۔ اٹک

ضابطہ

کتاب .... لذت آشنائی۔۲

مرتب .... نذر صابری

ناشر .... ادارہ فروغ تجلیات صابریہ اٹک

کمپوزنگ .... ٹیک ڈی پرنٹ۔اٹک

طابع .... کتب خانہ مقبول عام اٹک

اشاعت .... ۱۵۔اکتوبر ۲۰۰۴ء بار اول

صفحات ۳۲

تعداد ۲۵۰

ہدیہ .... ۳۰ روپے

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کایں دولت اس گفتار خیزد

(رومی)

فہرست مندرجات

اے ذوق کسی ہمدمِ دیرینہ کا ملنا

بہتر ہے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے

لذت آشنائی حصہ اول جو حافظ محمد مظہر الدین رمداسی چشتی صابری سراجی کے ۲۰ خطوط پر مبنی ہے، ادارہ فروغ تجلیات صابریہ اٹک کی جانب سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہو چکی ہے۔ کہتے ہیں خط آدھی ملاقات ہوتا ہے۔ اس حساب سے حافظ صاحب سے میری دس ملاقاتیں تو یوں ہو گئیں اور پھر دس ملاقاتیں ان سے بالمشافہ ہوئیں جو واقعہ کی ندرت کی وجہ سے یادرہ گئیں۔ اب لذت آشنائی حصہ دوم کے عنوان سے شائع کی جا رہی ہے۔ اس طرح کل قلمبند ملاقاتیں ۲۰ ہوئیں اور ایک طرح سے خطوط اور ملاقاتوں کے پلڑے برابر ہو گئے مگر خطوط چونکہ حافظ صاحب کے اپنے قلم سے ہیں۔ ان کا ایک ایک لفظ حافظ صاحب کا اپنا ہے جبکہ ملفوظات میں گو ملاقاتیں حافظ صاحب کی ہیں مگر الفاظ وحروف اس خاکسار کے ہیں لہذا دونوں کو برابر نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم حافظ صاحب جب اپنے خطوط میں بار بار ملنے کی دعوت دیں تو ملاقات خط کا مطلوب ومقصود ہونے کی بنا پر سبقت لے جائے گی۔ میں ان سے حرایمِ ادب پنڈی میں بار ہا ملا ہوں۔ میری ملاقاتیں صرف دس تک محدود نہیں مگر ان کی طلب اور شوق کا صحرا دریا نوش تھا۔ بار بار بلاتے تھے اور ہر بار بے حد محبت کا اظہار فرماتے تھے جیسا کہ خطوط سے ظاہر ہے۔ میں اس پر جتنا بھی ناز کروں کم ہے۔ ان کے آخری خط کے آخری الفاظ 'کیا پنڈی آپ کبھی نہیں آئے' پر جب بھی نظر پڑتی ہے رو دیتا ہوں، بے حال ہو جاتا ہوں۔

اگر میں لذت آشنائی کا یہ حصہ شائع نہ کرتا تو قاری مجھے حد سے زیادہ بے مروت، بدخو، بے لحاظ اور حق ناشناس سمجھتا۔ اب اس کی گفتگو کا یہ رنگ تو نہ ہوگا البتہ آخری ملاقات کو پڑھ کر ضرور محسوس کرے گا کہ ایسی ملاقاتیں اور ہونی چاہئے تھیں۔ شاید وہ یہ کہنے سے بھی نہ چوکے کہ میں نے اپنے اوپر ہی ظلم نہیں کیا بلکہ حافظ صاحب پر بھی کر ڈالا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ میرے نصیب میں تھا مجھے مل گیا ورنہ یہ سیاہ کار کہاں اور یہ دولت افتخار کہاں۔

المنۃ للہ

نذر صابری

۱۵-۱۰-۲۰۰۴

☆☆☆

1

ابوالبیان حافظ محمد مظہر الدین ۱۳۳۲ھ (1914ء) میں ست کوہہ ضلع گورداس پور میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام تاریخی ہے۔ وہ وقت کے عارفِ کامل علامہ صوفی نواب الدین رمداسی چشتی صابری کے فرزند رشید تھے۔ غالباً 1929ء کی بات ہے کہ والد ماجد کو ملنے گھر تشریف لائے۔ ان کے ہمراہ ٹانڈا اڑمڑ کے عصمت اللہ بھی تھے۔ میں نے ابھی سکول جانا شروع نہیں کیا تھا۔ یہ آپ کی پہلی چہرہ شناسی تھی۔ پھر 1939ء کے بعد مدرسہ حنفیہ پکا باغ جالندھر کے سالانہ جلسوں میں ان کو زینت آرائے منبر دیکھا۔ چشم و گوش دونوں یکساں طور پر کیف اندوز ہوئے۔ یہ شناسائی کا اگلا مرحلہ تھا مگر ابھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ بالآخر 1945ء میں محلہ امام ناصرؒ کی چھوٹی سی مسجد میں والد ماجد کے ہمراہ یہ مرحلہ بھی طے ہوا۔ ان کی فرمائش پر میں نے ''غالب اور مسئلہ وحدۃ الوجود'' پر اپنا ایک مضمون پیش کیا۔

حافظ صاحب نے بہت پسند فرمایا۔ والد کو مبارکباد دی اور مجھے آگے بڑھنے کا حوصلہ ملا۔

حافظ صاحب نے ادھر پنڈی میں بھی عند الملاقات کئی بار اس مضمون کا ذکر کیا گویا وہ اس کو بھولے نہیں تھے (لذت آشنائی ص ۵)۔

چنانچہ آپکی تحریک و تشویق کے زیر اثر اگلے دو سال میں غالب اور مسائل تصوف کے وسیع تناظر میں ایک مبسوط مقالہ سپرد قلم کر ڈالا اس میں ان کے فارسی کلام سے بھی پورا پورا استفادہ کیا گیا تھا۔ شروع اگست ۴۷ء میں اس کا آخری باب بعنوان 'معلوم سے نامعلوم کی طرف' رقم ہو رہا تھا کہ کوچ کے نقارے پر چوٹ پڑی اور سنگینی حالات اس قدر بڑھی کہ تین کپڑوں میں گھر سے نکلنا پڑا۔ کچھ ساتھ نہ لا سکا۔ مسودہ نے ادھر مٹی میں مل کر مٹی ہو جانے کو ترجیح دی۔ وہ مجھ سے بھی زیادہ خاک وطن کا شیدائی نکلا۔ ادھر آ کر کئی بار چاہا کہ حافظہ کی مدد سے اس کا ایک بھونڈا سا عکس ہی اتار لوں مگر ایسا نہ ہوسکا حتیٰ کہ وہ مضمون بھی (غالب اور نظریہ وحدۃ الوجود) بھی طاق نسیاں سے باہر نہ آسکا۔

مارچ 1951ء میں قبلہ عالمؒ کے پانچویں عرس کے موقع پر ملتان گیا۔ بڑے بھائی بھی ہمراہ تھے۔ برادرِ طریقت غلام محی الدین خان جالندھری سے پردیس میں پہلی دفعہ ملاقات وہیں ہوئی۔ حافظ مظہر الدین نے مولانا ابوالنور محمد بشیر کوٹلی لوہاراں والوں سے ملایا اور ان کے ماہنامہ 'ماہِ طیبہ' کو خریدنے کی طرف توجہ دلائی اور یہ بھی فرمایا کہ بھارت سے شائع ہونے والا ماہنامہ 'شاعر' بھی منگوایا کرو۔ آپ نے حاجی محمد ابراہیمؒ اور حاجی محمد شفیعؒ تاجران چرم ملتان سے بھی انکی مارکیٹ میں تفصیلی ملاقات کرائی۔ یہ دونوں بزرگ حضور قبلہ عالمؒ کے اولین عقیدت مندوں میں سے تھے، بڑے مزے لے لے کر شیخؒ سے اپنی عقیدت اور محبت میں رچی بسی داستانیں بیان کرتے رہے۔ مولانا مرتضیٰ احمد میکش سے بھی اسی موقع پر ملاقات ہوئی جو پہلی اور آخری ہی ہوگئی۔ مولانا عبدالغنی دوسوہوی بھی ملے اور کسی روز کیمبل پور آکر ملنے کا مژدہ بھی سنایا۔

حسبُ الارشاد ماہ طیبہ اور شاعر ایک سال کے لئے اپنے نام جاری کرائے۔ ماہ طیبہ میں سلسلہ صابریہ سراجیہ کا کبھی ضمناً ذکر بھی نہ پایا تو بند کرادیا۔ قارئین کو معلوم ہوگا کہ اس کے مدیر، حضور قبلہ عالم کے داماد تھے ماہ نامہ شاعر کے مدیر سیماب اکبرآبادی کے شاگرد تھے اور حافظ صاحب کو شاعری میں خود بھی سیماب صاحب سے رشتہ تلمذ حاصل تھا۔ بلند پایہ ادبی رسالہ تھا مگر میں بوجوہ اس کو جاری نہ رکھ سکا۔ اصناف سخن نمبر اس دور کا یادگار شمارہ تھا۔ مولانا میکش سے کھڑے کھڑے دو چار منٹ کی ملاقات ہوئی ہوگی جو میری کم کوشی اور ان کی بے نیازی سے آگے نہ بڑھ سکی۔ اس مختصر سی ملاقات نے بھی جو نقشہ دوام میرے ذہن پر چھوڑا اس کا پھر کسی صحبت میں ذکر ہوگا انشاء اللہ۔ مولانا دوسوہوی حسب وعدہ تشریف لائے اور اس خاکسار کو عزت بخشی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب حافظ صاحب کے زیر اہتمام ہونے والے عرس پاک کے ثمرات تھے۔ افسوس کہ یہ لمحے پھر میسر نہ آسکے۔ اسی عرس پر ساغر صدیقی اور ساحر صدیقی سے بھی ملاقات ہوئی مگر مشاجرات صحابہ کی بحث نے ملاقات کو مختصر کرنے پر مجبور کردیا۔

پہلی دفعہ اٹک میں تشریف لائے تو جامع مسجد میں مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل عام کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ جیسا کہ موضوع کا تقاضا تھا آپ کا بیان بصائر و عبر سے بھرپور نہایت ولولہ انگیز اور مجاہدانہ تھا۔ حاضرین میں مہاجرین کی بہت زیادہ کثرت تھی۔ مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی اور حواشی بھی سامعین سے خالی نہ تھے۔ دل پہلے ہی پگھلے ہوئے تھے، آنکھوں سے بھی آنسو سنبھالے نہ گئے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے یہ آپ کی محراب و منبر پر آخری جلوہ آرائی تھی۔ اس کے بعد آپ کی سوچ کے زیادہ تر دھارے اصلاح احوال کے لئے صحافت کی طرف مڑ گئے۔

بہن کے گھر پر تشریف لائے تو گجرانوالہ کے ایک بدنصیب ہندو خاندان کی دل ہلا دینے والی کہانی سنائی۔ ملک تقسیم ہو چکا تھا، مگر یہ خاندان ابھی تک اپنے گھر ہی میں تھا۔ ایک روز چند جنونی سرپھرے موقع پا کر اس گھر میں گھس گئے۔ لوٹ مار کے بعد سارے خاندان کو صحن میں لا کر ذبح کر ڈالا۔ ایک چھوٹا سا بچہ جو لٹو سے کھیل رہا تھا، بھاگ کر ڈیوڑھی کے کواڑ کے پیچھے چھپ گیا۔ گھر کا صفایا کر چکے اور باہر کو روانہ ہوئے تو بچے کے دل کا خوف اسے ان کے سامنے لے آیا۔ ان کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا، مجھ سے یہ لٹو لے لو اور مجھے نہ مارو۔ مگر ان ظالموں نے اس معصوم اور پیاری پیاری آواز کو بھی ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا اور پاکستان زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے ایک طرف کو نکل گئے۔ حافظ صاحب نے یہ دردناک داستان اس انداز میں سنائی کہ آج بھی یاد آتی ہے تو دل غم کی لہروں میں ڈوب جاتا ہے۔ ملک کیوں کر تقسیم ہوا، انسان نے کس بے دردی سے انسان کا شکار کھیلا، اخلاقی اقدار کس طرح پامال ہوئیں اور مذہب کے نام پر وحشی انسانوں نے کس طرح خون کی ہولی کھیلی۔ تاریخ کے اوراق ان خونچکاں افسانوں سے بھرے پڑے ہیں۔

جالندھر میں بیدم وارثی ،مولانا گرامی ،ابر وارثی ، حیرت وارثی ، میراں شاہ اور خلیفہ عمر بخش کی نشست گاہ کو مولانا نواب الدین رمداسیؒ فانوس خیال کہا کرتے تھے ان کے علم وعرفان کے وارث حافظ مظہر الدین جب پنڈی میں آئے تو روشن خیال ادیبوں اور شاعروں کا بکثرت ان کی طرف رجوع ہوا۔ حافظ صاحب نے اس مجلس گاہ کو حریم ادب کا نام دیا۔ میں پہلی بار وہاں پہنچا تو دروازے کے سامنے آتش دان پر دو تصویروں پر نظر پڑی۔ ایک حضور مرشدؒ کی تھی ، اور دوسری تصویر پیر مہر علی شاہؒ کی۔ میرے گھر میں بھی یہی دو تصویریں انگیٹھی پر دھری رہتی تھیں ۔ اس حسن اتفاق کو دیکھ کر دل بہت شاد ہوا۔ کچھ دیر بیٹھک میں رک کے پھر حافظ صاحب مجھے قلعہ محلّہ کے ایک مرد درویش کے پاس لے گئے ۔ کچھ دیر ان کی صحبت میں بیٹھے پھر راجہ بازار کی طرف چلے آئے ۔ نہ جانے کیا باتیں ہو رہی تھیں کہ آپ نے سوال کیا کہ میری عمر کیا ہو گی ؟ میں نے آپ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے گذارش کی کہ ابھی تک آپ کا کوئی بال بھی سفید نہیں ہوا۔ میری سادگی پر ہنس دیئے اور فرمایا ''وسمہ لگاتا ہوں''۔

مرکزی جامع مسجد کے پاس سے گذرے تو فرمایا کہ ایک بار ادھر سے اپنے خیالوں میں گم گھر کی طرف جا رہا تھا کہ ایک زوردار آواز نے ''مظہر'' کہہ کر چونکا دیا۔ انداز سارا ابا جان کا تھا مگر ابا جان یہاں کہاں ۔ ادھر ادھر دیکھا، کوئی شناسا نظر نہ آیا۔ دو قدم چلا تو پھر وہی آواز آئی۔ پھر ادھر ادھر دیکھا پھر کوئی نہ ملا ۔ بے نیازانہ چلتا رہا۔ ایک کھمبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا جب اس کے نزدیک پہنچا تو حفیظ (ابوالاثر حفیظ جالندھری) اس کھمبے کے عقب سے نکل کر لپٹ گیا۔ ان دنوں حفیظ راولپنڈی آیا ہوا تھا۔

5

اٹک کی شروع کی ملاقاتوں میں ایک روز آپ نے اپنی ایک نظم مجھے نقل کرنے کے لئے دی ۔ یہ کوئی نغمہ ہو گا جو آزاد کشمیر کے ریڈیو سٹیشن واقع تراڑکھل کو نشر یئے کے لئے بھیج رہے تھے ، دیکھ کر فرمانے لگے تم نقطے بڑی بے احتیاطی سے ڈالتے ہو۔ کبھی لفظ پڑھا نہیں جاتا، کبھی کچھ کا کچھ پڑھا جاتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ املاء کی صحت میں ان کی سلامت طبعی کس درجہ صائب تھی ۔ میرا خط بہت اچھا تھا۔ مگر اس میں ایک نقص یہ تھا کہ ہر قلم کے ساتھ بدلتا رہتا تھا۔ کامل پختگی ، یک رنگی اور استواری نہ تھی ۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہو گا کہ آپ کے کتنے ترانے اور مجاہدانہ نظمیں آزاد کشمیر ریڈیو سے نشر ہوتی رہی ہیں ۔ آزاد کشمیر کا 'ترانہ وطن ہمارا آزاد کشمیر' اور 'میرے وطن تیری جنت میں آؤں گا اک دن' آپ ہی کے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ منظومات آپ کے مجموعہ کلام حرب وضرب میں موجود ہیں۔

6

6 اکتوبر 1958ء کو آپ اٹک میں تھے۔ آپ کے اعزاز میں محفل شعر و ادب نے کیپٹن عطاء حسین کے گھر پر ایک ادبی نشست کا اہتمام کیا۔ اجلاس میں نذر صابری ، شفق انبالوی ، شاہد پانی پتی ، سید میر احمد شاہ اور ملک جعفر نے شرکت کی ۔ صدر نے مجاہدین الجزائر کے نام 'پیغمبران بہار ، بوتراب اور محرم' سے نوازا۔ آخر میں حافظ صاحب نے ایک نعت بھی ہدیہ سامعین کی ۔ اجلاس ساڑھے آٹھ سے ساڑھے بارہ بجے شب تک جاری رہا۔ ایک لطیفہ یہ ہوا کہ شاہد پانی پتی داخل ہوا تو حسب عادت اداکاری پر اتر آیا۔ جیبوں پر ہاتھ مار کر کہنے لگا'' اوہ میں اپنا دیوان تو گھر ہی چھوڑ آیا'' اس پر حافظ مسکین نے فقرہ کسا کوئی بات نہیں دیوانگی تو ساتھ لے آئے ہونا۔ اس پر محفل زعفران زار بن گئی۔ حافظ صاحب نے اس برجستہ گوئی پر حافظ مسکین کو بہت داد دی۔

اجلاس کے بعد میرے اشعار پر اپنے تاثر کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ کہیں

کہیں اصلاح کی ضرورت ہے۔ نجانے کس پیمانے سے ناپ رہے ہونگے۔ کلام میں بہتری کی گنجائش تو اکثر موجود رہتی ہی ہے۔ میں نے کبھی کسی سے اصلاح نہیں لی۔ کبھی اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ غلط یا صحیح جو کچھ کہتا رہا ہوں اپنی اپج سے ہی کہتا رہا ہوں۔ کبھی کسی کے آگے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا۔

7

10 دسمبر **1960**ء کو راولپنڈی سے آپ کا ایک خط موصول ہوا۔ **16** دسمبر کو قبلہ عالم کے عرس میں شرکت کی دعوت تھی چنانچہ عرس پاک میں حاضر ہوا جو مستری عبداللہ خان جالندھری کے گھر پر منعقد ہوا تھا۔ موصوف حضور مرشد کے اصحاب قدیم میں سے تھے۔ ذکر وفکر کی بابرکت تقریب رات گئے تک جاری رہی۔ منصور تابش اور محمد سلیم کی نعت خوانی سے محفل گویا فردوس گوش بنی رہی۔ انصار ناصری، وکیل اظہر فاروقی اور بھائی جان کی جماعت کے کچھ اور افراد بھی موجود تھے۔ حافظ صاحب ان دنوں بھائی جان کے بہت قریب تھے لہذا عرس میں انہی کے عقیدت مندوں کی کثرت تھی۔

(لذت آشنائی ص ۴ حاشیہ)۔

دوسرے روز میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کی پہلی نسبت میں کوئی نقص تھا کہ بھائی جان کی ارادت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ فرمانے لگے میری پہلی بیعت اپنی جگہ برقرار ہے۔ یہ صابری بزرگ ہیں اور بقول خود میرے سلوک کی تکمیل کے لئے حضرت شیخ کی جانب سے مامور ہوئے ہیں۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں دے رہے ہمارا ہی حصہ ہمارے حوالے کر رہے ہیں۔ میں مطمئن ہوگیا۔ پھر ایک روز ایسا بھی آیا کہ دونوں بزرگوں میں اختلاف پیدا ہوا اور اس حد تک بڑھا کہ حافظ صاحب ان کا نام تک سننا گوارا نہ کرتے تھے۔ میں نے وکیل اظہر فاروقی سے اس کی تفصیل پوچھی تو انہوں نے بتایا'' آپ نے اپنے

خط میں حافظ مظہر الدین مرحوم اور بھائی جان قبلہ مرحوم کے درمیان اختلافات کی نوعیت کے بارے میں استفسار فرمایا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب آئے اور پھر فاصلے اتنے بڑھے کہ جس کی اہل حلقہ کبھی امید بھی نہ کر سکتے تھے۔ بھائی جان نے مجھے حافظ صاحب کا وہ آخری خط پڑھایا تھا جس میں اختلافات کا جواز حافظ صاحب نے پیش کیا تھا یہ خط اس شعر سے شروع ہوا تھا۔

از درِ دوست چہ گویم بہ چہ عنواں رفتم
ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم

اس کے بعد عورتوں کی بھائی جان کے پاس آنے کی شکایت تھی اور بہت سے نصیحت آمیز فقرات تھے۔ بھائی جان کا کہنا تھا کہ بھئی میرا قصور یہی ہے کہ میں نے کلب جانے والی عورتوں کے ہاتھوں میں تسبیح پکڑا دی اور ان کے گھروں کو محفل میلاد اور ذکر خواجگان کا مرکز بنایا۔ میرے بس میں تو بس یہی کچھ تھا۔ اب اگر کوئی چاہتا ہے کہ میں برقعہ پہنا کر انہیں گھر میں بٹھادوں تو یہ میرے بس میں نہیں۔ پھر مجھ سے کہنے لگے کہ حافظ صاحب مجھ سے راضی بازی ہیں عورتوں سے اختلافات خاندانی مناقشات کی بنا پر ہیں میرے پاس ان کے آنے جانے کی بنا پر نہیں ہیں۔ اگر حافظ صاحب کو میرے پاس عورتوں کے آنے جانے پر اعتراض تھا تو وہ تو میرے پاس پہلے سے آتی جاتی تھیں۔ اس وقت سے جب حافظ صاحب حلقہ سے متصل بھی نہ تھے۔ اس وقت تو اعتراض کبھی نہ کیا اور آج آپ کے دوست مجھے یہ نصیحت نامہ ارسال فرما رہے ہیں۔

پھر حافظ صاحب کے دل میں بدگمانیاں کچھ اہل حلقہ نے اور کچھ اور لوگوں نے پیدا کرائیں یہاں تک کہ بھائی جان سے ان کا میل ملاپ منقطع ہوگیا اور بھائی جان تو نہیں مگر حافظ صاحب پوری محاذ آرائی پر اتر آئے۔ اس سلسلہ میں بھائی جان نے جس اعلیٰ ظرفی

کا مظاہرہ کیا وہ قابل داد ہے میرے لئے تو دونوں محترم ہستیاں تھیں۔ میں دونوں سے ملتا رہا میرے حافظ صاحب سے نومبر 47ء سے تعلقات تھے۔ بھائی جان سے بھی انہیں کے ربط کے باعث ملاقات ہوئی اور میں ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا۔ بہرحال شیطان نے اچھی کارگزاری دکھائی اور اس اختلاف سے حلقے کو عظیم نقصان پہنچا۔ حافظ صاحب نے اپنی پیری مریدی کا سلسلہ الگ چلایا کہ وہ صاحب اجازت اور صاحب سلسلہ پہلے سے ہی تھے۔ ہمارے حلقے میں ان کا آنا باعث رحمت تھا مگر جب حافظ صاحب خود ہی الگ ہو گئے تو کیا کیا جا سکتا تھا۔ بہرصورت جو بات حق تھی وہ میں نے اطلاع کے لئے لکھ دی۔ باقی اللہ کی مصلحتیں ہیں یہ تو وہی جانے۔ میں نے نہ حافظ صاحب سے بگاڑ کیا اور نہ بھائی جان کو چھوڑا۔ (مکتوب راولپنڈی 2 مئی 1989ء)

8

چودھری عطا حسین کی وفات پر وہ سترہ و اٹھارہ ستمبر 1970 کو اٹک میں سوگوار بہن کے پاس تھے۔ اس دوران کئی ایک ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک ملاقات میں برق صاحب بھی موجود تھے۔ اس موقع پر ان کو جماعت اسلامی سے سخت نالاں پایا۔ پندرہ سولہ سال پہلے اسی جگہ ان سے جب ملاقات ہوئی تھی تو وہ مولانا مودودی کے بے حد مداح تھے۔ میں ان دنوں مودودی صاحب کا مخالف نہیں تو قائل بھی نہ تھا۔ آپ نے اس تحریک کی یوں تعریف کی کہ میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور پھر حافظ صاحب کے اس انکشاف نے تو رہی سہی کسر ہی پوری کر دی کہ وہ حضرت قطب الدین مودود چشتی قدس اللہ سرہ العزیز کے خاندان سے ہیں۔ مودودی صاحب سے عقیدت کی وابستگی کا یہ پہلا دن تھا اور چونکہ اس کی طرح ڈالنے والے خود میرے مرشد گرامیؒ کے نور نظر تھے لہذا مجھے اس میں کوئی مغایرت نہ تھی۔ اس مرتبہ حافظ صاحب مودودی صاحب کی مخالفت پر کمر بستہ تھے۔ ان کی یہ مخالفت

زیادہ تر معاملات پر مبنی تھی۔ روزنامہ کوہستان کے سلسلے میں ایک جھگڑا چلا آ رہا تھا۔ حافظ صاحب کو ادارہ سے الگ کر دیا گیا تھا۔ ان کے دس ہزار روپے کا زرضمانت نہ تو ان کو واپس کیا گیا اور نہ ہی رسید دی گئی۔ اس بدمعاملگی سے لب ولہجہ میں تلخی کا پیدا ہو جانا فطری امر تھا۔ انہیں یہ شکایت تھی کہ یہ جماعت ایک اخبار کو تو چلا نہیں سکتی کل ملک کا نظم ونسق ان کے حوالے ہوا تو کیا ہو گا۔ حافظ صاحب کا تاثر تھا کہ شوکت اسلام کے جلوس نے جماعت اسلامی کا دماغ بگاڑ دیا ہے۔ اگر کل وہ برسر اقتدار آ گئی تو ان کا سر پر غرور کہاں ہو گا۔ میں نے دیکھا کہ وہ اس مخالفت میں بھی بہت مردانہ وار تھے۔ یہ مخالفت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ 'نشان راہ' کے ساتھ حافظ صاحب کا نام نہیں آ رہا تھا۔ تاہم وہ نعیم صدیقی کی بہت تعریف کر رہے تھے شاید کہ انہوں نے معاملات کو سلجھانے میں اچھا کردار ادا کیا ہو۔

9

ایک اور موقع پر حریم ادب میں حاضر ہوا تو یوسف ظفر رونق افروز تھے۔ مختلف مسائل تصوف پر گفتگو ہو رہی تھی۔ یوسف ظفر بات بات پر کشف المحجوب کا حوالہ دے رہے تھے اور مجھے یوں لگ رہا تھا کہ پوری کتاب ہی انہیں حفظ ہے۔ یوسف ظفر اور مسائل تصوف! عجب سا لگا۔ میری حیرت پر انہوں نے خود ہی گرہ کشائی کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے والد صوفی باصفا تھے اور ایک مرد خدا کے دست گرفتہ۔ میں چھوٹا سا تھا کہ میری انگلی پکڑ کر وہ ان کی مجلس میں لے جایا کرتے تھے۔ تبرکات میں سے آپ کا پس خوردہ مجھے بھی ملتا رہتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اسی رزق حلال کا اثر ہے جو بالآخر مجھے راہ پر لے آیا اور یہ اسی کا فیض ہے کہ میری زبان پر آج 'داس کیپیٹل' کی جگہ کشف المحجوب کی باتیں جاری ہیں۔ تخم سعادت موسموں کے مناسب وقت اور آب و ہوا کا انتظار کرتا ہے اور پھر برگ و بار لاتا ہے۔

20 اکتوبر 1974ء کی شام کو عظیم بھٹی سے ملاقات ہوئی اور یہ طے ہوا کہ اگلے
اتوار (27 اکتوبر) صبح راولپنڈی آؤں گا، وہ سٹیشن پر مجھے آکر ملیں۔ وہاں سے ریاض بھٹی
کے پاس جائیں گے اور ان کو ساتھ لے کر حافظ مظہر الدین کے آستانہ پر حاضری دیں
گے۔ حافظ صاحب قبلہ پچھلے سال خشکی کے راستے حرمین شریفین گئے تھے اور مقامات
مقدسہ کی زیارت اور حج سے مشرف ہوئے تھے۔ ان کے تبرکات چوہدری امین کے ذریعے
وصول ہوئے اور ایک دو مکتوب بھی پہنچے۔ میں اس دوران کئی بار پنڈی اور اسلام آباد بھی گیا
مگر ان تک نہ جا سکا۔ وہ ناراض و ناخوش تھے اور اس میں حق بجانب بھی تھے۔ رمضان
المبارک میں یہ عہد کیا کہ عید کے بعد جلد از جلد ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ یہ ۲۷
اکتوبر کا سفر اسی عہد کی تکمیل کے لئے تھا۔ گاڑی یہاں سے ہی آدھ گھنٹہ لیٹ تھی پنڈی کے
نزدیک اور پندرہ منٹ لیٹ ہوگئی اور دس بجے سٹیشن پر پہنچی۔ میں نے سوچا کہ عظیم انتظار کر
کے چلا گیا ہوگا۔ مگر وہ کسی ستون کے پیچھے سے اچانک نکل کر لپٹ گیا۔ بے حد خوشی ہوئی۔
دونوں شہر کو چل دیئے اور پیلس ہوٹل پر چائے نوش کی پھر وہاں سے پا پیادہ چاہ سلطان کی
طرف روانہ ہوئے اور ریاض بھٹی کو وہاں سے ساتھ لے کر کوئی ساڑھے بارہ بجے حریم ادب
پہنچے۔ دستک دی۔ الحمد للہ کہ آپ گھر پر ہی تھے، باہر تشریف لائے۔ اولیس مظہر اس وقت پر
گھر پر نہ تھا۔ حضرت سے مصافحہ ہوا اور پھر بیٹھک میں ساڑھے تین بجے تک محفل جمی
۔مختلف مسائل زیر بحث آئے۔ جو کچھ ذہن میں محفوظ رہ گیا اس کو یہاں قلم بند کرنے کی
کوشش کروگا۔

میں نے پروفیسر ریاض بھٹی اور عظیم بھٹی کا تعارف کرایا۔ حافظ صاحب نے سب
سے پہلے جو سوال کیا وہ یہ تھا کہ آپ کھانا کھائیں گے یا چائے پیئیں گے۔ گھر میں کوئی بچہ نہ

تھا جو دودھ لاتا۔ آپ دیر تک پریشاں سے رہے پھر اولیس آگیا اس سے پروفیسر ریاض بھٹی
اور عظیم بھٹی کا تعارف کروایا۔ ریاض انکو دیکھ کر فوراً پہچان گیا کہ آپ تجلیات کے سلسلے میں
کالج (اصغر مال کالج) بھی تشریف لائے تھے۔ حافظ صاحب نے فرمایا اب جلوہ گاہ کے
لئے حاضر ہوں گے۔ اتنے میں چھوٹا برخوردار بھی آگیا میں نے اس کو پہلی بار دیکھا اگر پہلے
دیکھا بھی ہوگا تو ننھا سا ہوگا۔ وہ گارڈن کالج میں داخل تھا۔ میں نے سوال کیا کہ یہاں اصغر
مال کالج میں داخلہ کیوں نہیں لیا۔ یہ لوگ خیال رکھتے۔ میرا اشارہ ریاض کی طرف تھا۔ حافظ
صاحب نے فرمایا کہ اس کے سارے ساتھی ادھر چلے گئے تھے ساتھ نبھانے کی خاطر اس کو
بھی وہاں جانا پڑا۔ ساتھ نبھانے کی یہ بات مجھے بہت پسند آئی۔ میں خود اس نظریہ کا قائل
ہوں۔ انسانوں پر کیا یہ اصول تو کائنات کے ذرہ ذرہ میں جاری وساری ہے بعض عناصر
بعض عناصر سے خاص میلان رکھتے ہیں اور ان کو اپنی طرف کھینچتے رہتے ہیں۔ اگر اچھے
لوگوں کی سنگت حاصل ہو جائے تو اس سے بڑی سعادت کیا ہوگی۔ خدا کرے کہ یہ برخوردار
اچھے لوگوں کی صحبت سے محروم نہ ہو۔

بات جلوہ گاہ کی ہو رہی تھی۔ حافظ صاحب نے اس کے ایک دیباچہ کی بہت
تعریف کی اور یہاں تک کہہ گئے کہ میری نظر میں اس سے بہتر اور دیباچہ نہیں ہوسکتا۔ انہوں
نے یہ کہہ کر میری رگ تجسس کو بھڑکایا اور میں سوچ میں غرق ہو گیا کہ یہ شخص کون ہوسکتا ہے؟
حافظ صاحب نے ساتھ ہی میرے اس مضمون کی یاد دلائی جو 1945 میں غالب اور فلسفہ
وحدت الوجود کے موضوع پر ان کی خدمت پر پیش کیا تھا۔ دیباچہ میں نے پڑھا بہت پسند آیا
یہ ان کے ایک فاضل دوست محمد ایوب کا لکھا ہوا تھا۔ تجلیات کا دیباچہ بھی انہی کا ہے اس تحریر
کو دیکھ کر ان کی علمی اور ادبی شخصیت کی عظمت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ کم از کم یہ بات تو بلا
خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ انہوں نے حافظ صاحب اور ان کے فن کو سمجھنے کا پورا پورا حق ادا

کیا ہے۔ دوسرا دیباچہ احسان دانش کا ہے۔ حافظ صاحب اس سے مطمئن نہیں تھے۔ انہوں نے ازخود برسبیل عقیدت بھیج دیا تھا۔ تاہم حافظ صاحب نے اس کو شامل اشاعت کر دیا تھا۔ یہ دیباچہ عام طرز کا ہے۔ احسان دانش اس میں کوئی خاص بات پیدا نہیں کر سکے۔ میں نے دونوں کو وہیں بیٹھے بیٹھے پڑھ کر یہ رائے قائم کی اور حافظ صاحب نے پورا پورا اتفاق کیا۔

حافظ صاحب نے جلوہ گاہ کی تبویب پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ اس کے چار باب ہیں پہلا آرزوؤں کا، دوسرا سفرِ شوق کا، تیسرا حضوریٔ قرب کا اور آخر میں واپسی کی نعتیں شامل ہیں۔ ان کا یہ دعویٰ تھا کہ اب تک کوئی مجموعہ نعت اس ترتیب کے ساتھ شائع نہیں ہوا۔ یہ ایک خاصا تحقیق طلب موضوع ہو سکتا ہے۔ اول تو نعتیہ مجموعے ہی کتنے شائع ہوئے ہیں؟ اردو میں کتنے شاعر ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کو نعت گوئی کے لئے وقف کر دیا ہو۔ اگر اس میں فارسی ادب کی وسعتوں کو بھی شامل کر لیا جائے تو بھی تعداد میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوگا۔ جب نعتیہ دیوان ہی کم ہیں تو یہ ترتیب اور بھی کم یاب ہوگی۔

خاقانی کی مثنوی تحفۃ العراقین کو اس نظر سے دیکھا جا سکتا ہے۔ کچھ شعراء تو ایسے ہیں جو اقبال کی طرح آرزو کے پر ہی تولتے رہے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو مائل پرواز تو ہوئے مگر راستے ہی میں دم توڑ گئے اور کچھ وہ ہیں جو واپس نہیں آئے شمع رسالت پر نثار ہو گئے اور کچھ وہ ہیں جو منزل جاناں سے واپس ہوئے۔ خاقانی انہی میں سے ایک ہے اور اس کو اس کی عظمت شعری اور مدح رسولؐ کی بنا پر حسان العجم کہا جاتا ہے۔ اس کے ہاں شاعر ذوق و شوق کی یہ ساری منزلیں مل جائیں گی اور اس کے تاثرات بھی مربوط ہیں۔ تحفہ چونکہ مثنوی ہے دیوان نہیں اگر اس میں یہ منزلیں مل بھی جائیں تو بھی حافظ صاحب کا دعویٰ اپنی جگہ پر برقرار رہے گا۔ ہاں یہ کہا جا سکے گا کہ یہ خیال انہوں نے خاقانی سے اڑایا ہے مگر خاقانی کی مثنوی تو ایک منظوم سفرنامہ حج ہے اور ایک کامل سفرنامہ میں لامحالہ یہ چاروں منزلیں موجود تو

ہوں گی۔ تحفہ اور دیوان مظہر میں یہ بھی فرق ہے کہ وہ ایک مسلسل نظم ہے اور ضروری نہیں کہ سفر کے ساتھ ساتھ لکھی گئی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وطن واپس آ کر نظم کی ہو جب کہ حافظ صاحب قبلہ کا یہ سارا نعتیہ کلام ارادہ حج سے لے کر گھر واپسی تک کو شامل ہے۔ یہ تقسیم بہت پیاری ہے۔ کیفیات تاریخی اور واقعاتی ہیں تصوراتی اور تخیلی نہیں۔ اس سفر پر روانہ ہونے والا ہر شخص کم وبیش ان کیفیات سے دوچار ہوتا ہوگا مگر شاعر اپنی غیر معمولی قوت مشاہدہ سے جس طرح ان مناظر کو دیکھتا ہے اور ان کی قلمی تصویر کھینچتا ہے وہ اسی کا حصہ ہے۔

میں نے گذارش کی کہ اس کتاب کے بعد اگر اس سفر کی واردات اور کیفیات کو آپ ایک مختصر مگر جامع سفرنامہ کی صورت میں لکھ دیں تو قند مکرر ہوگی مگر وہ کچھ آمادہ ہوتے نظر نہیں آئے۔

موصوف کی نثر بھی نظم کی طرح موثر، دلکش اور لطیف ہے وہ تقریر اور تحریر دونوں میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں اور یہ وہ خوبیاں ہیں جو بہت کم لوگوں میں ایک جگہ ملتی ہیں اگر وہ یہ سفر نامہ لکھنے پر آمادہ ہو گئے تو ایک معرکہ کی چیز ہوگی۔ فرما رہے تھے دسمبر تک جلوہ گاہ طبع ہو کر آجائے گی ناشر خود ہی ہوں گے۔

جلوہ گاہ کے ذکر کے ساتھ انہوں نے مختصراً اپنے حج کے حالات بھی بیان فرمائے۔ یہ تذکرہ وہ کوئی آٹھ نو ماہ سے کرتے چلے آ رہے تھے اور سینکڑوں لوگوں نے ان سے اس داستان شوق کو سنا ہوگا مگر ہر گوش شنوا کا اپنا اپنا مقدر ہوتا ہے ہمیں جس انداز سے یہ حالات سنائے ہیں امید ہے بہت کم لوگوں کو سنائے ہوں گے۔ نغمہ اس لئے اعلیٰ ہوتا ہے کہ اس کا گویا بہت اعلیٰ درجے کا فنکار ہو مگر کبھی اس میں غیر معمولی بلندیاں اس لئے بھی آجاتی ہیں کہ شریک محفل غیر معمولی ہوں۔ شاید میں اپنی تعریف کر گیا ہوں۔ مجھ سے وہ بے حد پیار کرتے ہیں۔ یہ میرے والد بزرگوار کی وجہ سے ہے جو ان کے ابا جان کے محبوب ترین

مریدوں میں سے تھے اور آپ کی وفات سے پہلے سب سے آخری ملنے والے مرید بھی وہی تھے۔ ان کے بعد یہ شرف کسی اور کو حاصل نہ ہوا یہ تعلق بھی اپنا کام کر رہا تھا۔ کبھی کبھی خود کو آئینہ کے روبرو لے جاتا ہوں اس لئے نہیں کہ خود کو دیکھوں بلکہ اس لئے کہ اپنے والد بزرگوار کی زیارت کروں جو میری صورت میں دکھائی دیتے ہیں بعید نہیں حافظ صاحب بھی اس لذت سے ہم کنار ہو رہے ہوں۔

میں کہاں ان کی عنایات و کرم کے قابل
میری صورت میں کسی اور کا دھوکہ ہوگا (نذر)

سفر حج کا ذکر کرتے وقت انہوں نے ایک نقشہ سامنے رکھ لیا تھا اور اس کی مدد سے منازل سفر کی وضاحت کرتے گئے۔ جو لوگ جغرافیہ کا شعور کم رکھتے ہیں ان کے لئے یہ نقشہ ضرور مفید ہوگا مگر میرے لئے اس میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اگر وہ مجھ سے یہ نقشہ بنواتے تو کہیں زیادہ بہتر ہوتا۔ نقشہ بنانے والے نے جانے اور آنے والے رستوں کو ممیز نہیں کیا تھا جو کہ نہایت ضروری تھا۔

بہر حال آپ حج سے کافی عرصہ پہلے ایک کار میں چند احباب کیساتھ کابل کے راستے سے قندھار اور ہرات ہوتے ہوئے ایران پہنچے۔ تہران، موصل، بغداد، بصرہ اور ریاض کے مقامات کی سیر کرتے ہوئے مدینہ منورہ وارد ہوئے اور پھر حج کے ایام میں مکہ معظمہ میں قیام فرمایا۔ پھر مدینہ منورہ واپس آ گئے اور وہاں سے وداع ہو کر دمشق پہنچے اور شام سے ہوتے ہوئے عراق میں داخل ہوئے۔ نجف اشرف کربلائے معلیٰ بغداد کے راستے شیراز گئے اور پھر بغداد، موصل اور تہران ہوتے ہوئے افغانستان میں آ گئے اور ہرات قندھار ہی کے راستے سے کابل ہوتے ہوئے وطن واپس ہوئے۔ انہیں اس بات کا افسوس رہا کہ وہ ترکی نہ جا سکے اور نیشاپور بھی ان کی دسترس سے باہر رہا۔ باقی تقریباً تمام

بڑے بڑے شہروں اور مقدس مقامات پر انہوں نے اپنا نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ ارض انبیاء کی بھی جی بھر کر سیر کی۔ البتہ سیاسی حالات کی وجہ سے بیت المقدس اور اس کے مضافات سے دور ہی رہے۔ شیخ ابو اسحاق شامی جو سلسلہ چشتیہ کے سرخیل ہیں موصوف کی سعی بلیغ اور ذوق و شوق کے باوجود نہ جانے کیوں اپنا دامن بچا گئے۔ ان کا مزار اقدس ایک بلند پہاڑی پر واقع ہے۔ کار ہی میں دور سے اس پر ایک نگاہ حسرت ڈالتے ہوئے بادل نخواستہ آگے گذر گئے۔ ایسا ہی اضطراب انہیں بغداد میں حضرت معروف کرخی کے مزار کے لئے لاحق ہوا۔ یہ بزرگ ہماری قادری نسبت کے گوہر تابدار ہیں۔ ان کی شخصیت علمی اور عرفانی دنیا میں کسی تعارف کی محتاج نہیں مگر افتاد زمانہ دیکھئے کہ آج بغداد میں اکثر لوگ آپ کے مزار اقدس کے حدود اربعہ سے ناآشناء ہیں۔ بغداد کا یہ آفتاب شپرہ چشموں کی نظر سے اوجھل ہے۔ بڑی ہی تگ و دو کے بعد آپ کا آستانہ اچانک تائید ایزدی سے نظروں کے سامنے آ گیا۔ مزار بہت کسمپرسی کی حالت میں ہے۔ نزدیک ہی کوڑا کرکٹ کے ڈھیر ہیں۔ ایسا ہی حال حضور غوث الاعظم کے دیار پر انوار کا ہے شاید اسی لئے عراقی حکومت پر خدا کا عذاب برس رہا ہے۔ حافظ صاحب کی ان باتوں کا یقین نہیں آتا کہ اس قدر محترم ہستیوں کے ارد گرد صفائی کا یہ حال ہوگا۔

کعبہ مکرمہ کی کسی واردات کا آپ نے تذکرہ نہیں کیا۔ مدینہ منورہ سے آپ کا خاص تعلق خاطر یہاں زیادہ قیام کا موجب ہوا اور آپ کو آستانہء قدس کے نزدیک ہی قرار گاہ ملی۔ دربار رسالت میں آپ کی باریابی کا یہ عالم تھا کہ جب چاہا اپنے سر کو جالیوں پر رکھ دیا اور جب چاہا اٹھایا۔ کسی پاسبان توحید کو ٹوکنے کی جرائت نہ ہوئی۔ ایک بار ایک نے ٹوکا تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ میری کیفیت کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔ سعودی گورنمنٹ نے مزارات کے نشانات کو زمین برابر کر دیا ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے۔ ایک روز حرم نبویؐ میں

ایک صاحب اس پر موافقانہ گفتگو کر رہے تھے اور مخالفین کو للکار رہے تھے کہ اس قبر سازی کے حق میں کوئی دلیل ہے تو لائیں۔ میں نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ آپ نے جس آیت اور حدیث کے مطابق ان آثار کو زمین برابر کر دیا ہے وہ پیش کریں۔ اس پر وہ خاموش ہو گیا اور سارا جوش تقریر سرد پڑ گیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ مدینہ یونیورسٹی کا استاد ہے اور مجھے اس پر حیرت بھی ہوئی اور افسوس بھی۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ میں نے اس سے یہ بھی پوچھا کہ جس حکم کے تحت جنت البقیع میں صحابہ کرام کے مزارات کے نشانات مٹائے اور قبے گرائے گئے ہیں اس کا اطلاق روضۃ النبیؐ پر کیوں نہیں ہوا۔ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ آستانہ رسولؐ کے روبرو ان بے غیرتوں کو اس قسم کی گفتگو کرتے ہوئے شرم نہیں آئی۔ شرم کیا آئے یہ ان کے پاس ہو بھی تو کبھی اس قسم کے الفاظ زبان پر نہ لائیں بلکہ دل میں بھی کبھی ان کو جگہ نہ دیں۔ حافظ صاحب کو روضۃ رسولؐ کے کسی خادم نے بتایا کہ ہر روز صلوٰۃ وسلام میں ان کی نعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ اس سعادت پر وہ جتنا ناز کریں کم ہے یہ مقام بھلا کس کو ملتا ہے۔ مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات میں شیخ اکبر کی فتوحات مکیہ پر طعن کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہمیں فتوحات مدنیہ چاہیئے فتوحات مکیہ کی ضرورت نہیں۔ اس قول سے رنگ طعن کو اگر زائل کر دیا جائے تو یہ بات بہت دلکش دیدہ کشا اور روح افزا ہو جائے۔ خود شیخ اکبر کی دوسری معرکۃ الآراء کتاب ''فصوص الحکم'' کا شمار فتوحات مدنیہ میں ہوگا اگرچہ وہ مدینہ منورہ میں لکھی نہیں گئیں۔ تاہم وہ رسالت مآبؐ نے انکو عطا کی تھی۔ اگر یہ عطا مکہ میں ہو یا دمشق میں یا سرہند میں اس کو فتوحات مدنیہ ہی کہیں گے۔ موصوف کی نعت کا جو حصہ دیار رسولؐ میں ان پر نازل ہوا فتوحات مدنیہ کہلائے گا بلکہ یہ تو جلی فتوحات مدنیہ میں شمار ہوگا۔ نہیں معلوم انہوں نے اس باب کو کیا نام دیا ہے۔ اصل جلوگاہ تو یہی ہے بہر حال یہ تو کتاب دیکھنے پر معلوم ہوگا۔ ہم نے دیباچوں تک خود کو محدود رکھا اور نظر کو بے

قابو نہیں ہونے دیا۔ اس کی اپنی ہی لذتیں ہیں۔

مئی **1946** کے وسط میں والد پہلی بار رمداس شریف گئے۔ پیر و مرشد سے چونکہ بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے لوگوں سے آپ کے گھر کا پوچھا تو وہ حیران ہوئے کہ آج مولوی صاحب اپنا ہی گھر بھول گئے ہیں۔

تیری گلی کا رستہ پوچھا تیری گلی میں دیوانگی پہ میری ہنستے ہیں عقل والے

یہ داستان بہت مشہور ہوئی صاحبزادی بی بی حمیدہ، مولانا ربانی اور اماں جان کی زبانی سن چکا تھا آج حافظ صاحب کی انگلیاں بھی انہیں سروں پر تھیں مگر کچھ اضافے کے ساتھ۔ فرمایا دونوں بزرگ محو گفتگو تھے اور رات کافی بھیگ چکی تھی میں اٹھ کر چلا آیا، مگر جب بھی میری آنکھ کھلی آپ کے کمرے سے بدستور گفتگو کی آواز آ رہی تھی گویا ساری رات ہی یہ سلسلہ راز و نیاز جاری رہا۔ صبح کو میں نے دیکھا تو آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور فرمانے لگے آج کوئی **20** سال کے بعد یہ رات نصیب ہوئی ہے۔

حافظ صاحب نے فرمایا دقیق مسائل کی افہام و تفہیم میں بھی آپ کے دلائل بہت ہی نزدیک کے ہوتے تھے۔ مالیر کوٹلہ میں ایک دفعہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ شریعت اور طریقت کیا ہے آپ اس وقت حقہ پی رہے تھے فرمایا اس حقہ کو ہی دیکھو اس کی ایک چلم، ایک نیچہ اور ایک لوٹا ہے۔ لوٹے میں پانی اور چلم میں آگ ہے اور اس کے اندر سے دھواں نکل رہا ہے۔ یہ چلم نیچہ اور لوٹا کو تو شریعت سمجھو اور پانی اور آگ کو طریقت جانو اور دھواں کو حقیقت اور کش لگانا بمنزلہ معرفت ہے۔ چاروں منزلیں ایک پا افتادہ مثال کے ذریعہ سے سمجھا دیں۔

انہوں نے مزید فرمایا کہ ایک دفعہ ''ضیائے حرم'' کے مدیر پیر کرم شاہ یہاں تشریف لائے وہ ان دنوں ایک تفسیر لکھ رہے تھے۔ سورۃ کہف میں موسیٰؑ اور خضرؑ کی ملاقات

پر میں نے جو کچھ نشان راہ میں لکھا تھا اس کے متعلق فرمانے لگے کہ یہ دلائل مجھے کسی تفسیر میں نہیں ملے۔ مجھ سے پوچھنے لگے کہ تم نے نشان راہ میں اس حصہ کو دیکھا ہوگا میں نے نشان راہ پوری تو نہیں پڑھی تھی مگر اس ملاقات پر آپ کے تبصرہ کو ضرور دیکھا تھا لہذا اثبات میں جواب دیا اور ساتھ ہی یہ بھی گذارش کی کہ میں نے اس موضوع پر قبلہ عالم کی ایک تقریر بھی سنی تھی۔

آپ نے مزید فرمایا کہ ایک دفعہ روزنامہ تعمیر میں الطاف پرواز کا ایک مضمون جنات کے بارے میں شائع ہوا۔ اس میں حضور قبلہ عالم کا ذکر بھی تھا کہ ایک دفعہ آپ پشاور گئے۔ ایک شخص مجلس میں آیا جس کی لڑکی کو آسیب تھا اور وہ بہت شور و غوغا کرتی رہتی تھی۔ آپ کو اس نے ساتھ لے جانا چاہا مگر آپ مشغول تھے۔ فرمایا تم میرا یہ عصا لے جاؤ اور اس لڑکی کے سامنے کر دو۔ اس نے ایسا ہی کیا اور تکلیف جاتی رہی۔ تحقیق الادیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ زبردست عامل تھے۔ آپ نے کتاب میں کچھ قرآنی عملیات اور تعویذات بھی درج کئے تھے اور دنیا بھر کو ان اعمال کے آزمانے اور قرآن کی صداقت کا تجربہ کرنے کی دعوت دی تھی۔ افسوس کتاب منظر عام پر نہ آسکی۔ صاحبزادوں کی غفلت کی وجہ سے دنیا ایک عظیم نعمت سے محروم رہ گئی۔

حافظ صاحب نے فرمایا کہ آخری ایام میں آپ اصرار کرتے رہے کہ میں کچھ عملیات آپ سے حاصل کرلوں۔ میں نے عرض کی کہ میں ان کو کیا کروں گا۔ فرمایا ضرورت پڑے گی تو میں قبر سے نکل کر تمھیں بتانے آؤں گا؟ میں نے سپر ڈال دی۔ آج لوگ میرے پاس اس مقصد کے لئے بھی حاضر ہوتے ہیں۔ وہ میری بزرگی اور درویشی کو ان عملیات کی وجہ سے جانتے ہیں۔ اگر میں انکار پر قائم رہتا تو آج ان دکھیاروں کے کس کام آتا۔

کچھ باتیں نقشبندیوں کے بارے میں بھی ہوئیں۔ میں نے اپنے ایک خواب کا

ذکر کیا کہ میں اپنے آپ کو مجدد الف ثانی کے مزار اقدس پر پاتا ہوں۔ اندر صرف ایک شخص موجود ہے اور وہ آپ کے سرہانے بیٹھا ہوا ہے۔ میں پاؤں کی جانب کھڑا ہو جاتا ہوں۔ اتنے میں میرے روبرو مزار کے اوپر ایک فلم عموداً چلنا شروع ہو جاتی ہے۔ کسی شاعر کا قصیدہ تھا جو مجدد صاحب کی شان میں لکھا گیا تھا۔ میں ایک ایک شعر پڑھتا جاتا ہوں حتیٰ کہ فلم پوری ہو جاتی ہے۔ مطلب سمجھ گیا اور نہایت ادب سے بارگاہ مجدد میں گزارش کی کہ اس قصیدہ میں جو شان آپ کی بیان ہوئی ہے میں اس کو تسلیم کرتا ہوں مگر آپ نے ہمارے مشائخ کی شان میں اچھا انداز اختیار نہیں کیا۔ یہ کہنا تھا کہ تمام منظر نظر سے غائب ہو گیا۔ حافظ صاحب پوچھنے لگے کہ انھوں نے ہمارے مشائخ کے بارے میں کیا کہا ہے۔ میں نے گزارش کی کہ ایک تو انھوں نے یہ فرمایا کہ چشتیہ میں اتباع سنت کا اہتمام نہیں دیگر یہ کہ جہاں اس سلسلے کی پرواز ختم ہوتی ہے ہماری پرواز کا آغاز ہوتا ہے۔ فرمانے لگے اسی لئے تو شیخ نظام الدین تھانیسری ثم بلخی ان کو ملائے سرہندی کہا کرتے تھے۔ حافظ صاحب نے ان کی عبارت بھی سنائی جو مجھے یاد نہیں رہی۔ انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ میرے پاس آیا کرتے ہیں اور کوئی نہ کوئی بحث چھیڑ دیتے ہیں اور کچھ نہیں تو کبھی حقے پر ہی اعتراض کر دیا۔ ان لوگوں میں سوز و گداز کی کمی ہے یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں میں کوئی اعلیٰ درجے کا شاعر پیدا نہیں ہوا، البتہ مظہر جان جاناں کی ہستی مبارکہ ایک استثناء کے طور پر موجود ہے۔

محمد عظیم بھٹی صاحب پنجابی کے فدائی ہیں انہوں نے سوال کیا کہ حضرت علیہ الرحمت کا پنجابی کا کلام محفوظ ہے؟ حافظ صاحب نے ایک کتاب کا نام لیا جو آپ کے اردو فارسی اور پنجابی کلام کا مجموعہ تھی مگر وہ اب نایاب ہے۔ آپ نے اردو غزل کے چند ایک شعر سنائے جن کے آخر میں 'ہوں' میں 'ردیف' اور 'مدعا' قافیہ ہے۔ پھر حضرت میراں بھیک کا کلام بھی موضوع گفتگو رہا اسی دوران ایک کار دروازے کے سامنے آکر رکی اور اس میں سے

ایک بلند قامت اور سیاہ ریش انسان نکلا اور بیٹھک کی طرف بڑھا اویس نے آگے بڑھ کر استقبال کیا۔ اندر آئے تو حافظ صاحب نے ان کا تعارف کروایا وہ ریاست سوات کے ایک مقتدر قاضی تھے۔ ساڑھے تین بج چکے تھے۔ گفتگو کا ماحول بھی تبدیل ہو چکا تھا۔ ہم نے اجازت لی اور ریاض صاحب کے ہاں نماز ظہر ادا کی۔

اس ساری تحریر میں حافظ صاحب کی پوری تقریر نہیں آئی جو کچھ حافظے میں رہ گیا میں نے یہاں لکھ دیا ہے۔ اس میں نہ حافظ صاحب کے الفاظ ہیں نہ ترتیبِ گفتگو اور نہ رس۔ تاہم اس بات سے مطمئن ہوں کہ نہ لکھنے سے جو کچھ لکھا ہے بہتر ہے۔

''نذر صابری 13 نومبر 1974''

اشاریہ

ابر شاہ وارثی: جالندھر کے مشہور پنجابی شاعر، بیدم وارثی کے مرید، ابر بہار، ابر کرم اور ابر رحمت کے شاعر۔ ہجرت کے بعد ملتان آگئے اور وہیں 1963ء میں فوت ہوئے۔

ابو اسحٰق شامی: م ۳۲۹ھ۔ خواجہ علو دینوری کے مرید اور خلیفہ، سلسلہ چشتیہ کے بانی، صاحب وجد و سماع۔ مدفن عکہ (شام)۔

احسان دانش:۔ استاد الشعراء، پاکستان کے صف اول کے شعراء میں شمار ہوتا ہے۔ شاعر مزدور اور مزدور شاعر، درویش سیرت انسان، صاحب تصانیف۔ مدفن۔ لاہور

الطاف پرواز:۔ ادیب، شاعر، صحافی اور نقاد۔ بچوں کے ماہنامہ ہدایت لاہور کے مدیر۔

انصار ناصری: آبائی وطن دہلی۔ پنڈی ریڈیو کے ڈائریکٹر، ڈرامہ کے خاص آدمی تھے۔ مقالات ناصری کے مصنف۔

اماں جان:۔ حافظ مظہر الدین کی والدہ محترمہ۔

امین: چوہدری۔ دیکھو لذت آشنائی۔ا

اویس مظہر۔ دیکھو لذت آشنائی۔ا

ایوب، محمد: م، 1981ء۔ وزارت مالیات میں اعلیٰ عہدے پر متمکن تھے۔ نوائے فردا کے شاعر جوان کی فارسی شعر پر عمدہ دسترس کی شاہد ہے۔ زبور عجم کے جواب میں لکھی گئی۔

بھائی جان:۔ نام محمد عارف، بھائی جان عرف، گوجر خان کے رہنے والے تھے۔ زبردست عرفانی شخصیت کے مالک، عہدِ ایوبی میں پنڈی اور اس کے مضافات کو اپنے اثر و نفوذ سے یہاں تک متاثر کیا کہ حافظ صاحب بھی ان کے زیر اثر آگئے۔ ایک بار اٹک تشریف لائے تو ڈاکٹر برق اور پروفیسر محمد عثمان کو اپنا گرویدہ بنا گئے۔

برق، ڈاکٹر۔ دیکھو لذت آشنائی۔ا

بیدم وارثی: مشہور صوفی شاعر، مصحف بیدم کے خالق، حاجی وارث شاہ کے مرید اور خلیفہ۔

جالندھر میں سلسلہ وارثیہ انھی کے اثر سے پھیلا اور ابر وارثی اور حیرت وارثی انھی کی نگاہ فیض سے سرشار ہوئے۔

جعفر ملک: سکھری ناڑہ کے رہنے والے، اٹک ہائی سکول میں عرصہ دراز تک معلم رہے۔ پروفیسر سعد اللہ کلیم کے گہرے یار، غزل گوئی کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ افسوس کہ زندگی زیادہ تر کچہری کے چکروں کی نذر کر دی۔

حمیدہ بی بی۔ م 1972ء حافظ مظہر الدین کی بہن، اٹک کے پرانے قبرستان میں مدفون ہیں

حیرت وارثی: بیدم وارثی کے مرید، خلیفہ اور شاگرد، صاحب دیوان شاعر، 1894ء میں جالندھر میں پیدا ہوئے اور 1963ء میں کراچی میں وفات پائی۔ مدفن کراچی۔ مرد وجد و حال تھے۔

ربانی، مولانا۔ دیکھو لذت آشنائی۔ا

ریاض بھٹی، پروفیسر: م۔ 1986ء چوہدری غلام حسین بھٹی کے قابل ترین فرزند 1963ء میں مقامی کالج سے B.Sc کی اور گورنمنٹ کالج لاہور سے 1965ء میں M.Sc کا امتحان پاس کیا۔ 21 سال تک اصغر مال کالج پنڈی میں پروفیسر رہے۔ اپنے مضمون، طبیعات پر پوری طرح حاوی تھے بلکہ مابعد الطبیعات پر بھی گہری نظر تھی۔ مارچ کے آخری عشرہ میں پنڈی ہی میں مختصر بیماری کے بعد چل بسے۔ اور اٹک میں سپرد خاک ہوئے۔ ہر دلعزیز استاد، شاعر اور مصنف۔ خوش درخشید ولے شعلہ مستعجل بود

ساحر صدیقی۔ دیکھو لذت آشنائی۔ا

ساغر صدیقی۔ مولد امرتسر: تقسیم گزیدہ۔ مفلوک الحال، بے خانماں شاعر، شاخ خزاں کی طرح دنیا کی رنگینیوں سے محروم مگر قلم بہار آفریں رکھتا تھا۔ افسوس کہ زیادہ تر زندگی فلمسازوں کے کام آئی۔ جبر مسلسل کا شکار رہا۔

سیماب اکبر آبادی۔ م 1951 ء۔ نام عاشق حسین۔ استاد الشعراء ہندوستان بھر میں شاگردوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ اردو کے مشہور صاحب دیوان شاعر۔

شاہد پانی پتی۔ پانی پت کے ایک خوشحال گھرانے کے فرزند، شعر گوئی کا شوق جنون کی حد تک محبوط الحواس انسان، اسی کا عکس کلام میں بھی نمایاں تھا۔ اٹک سے کراچی چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے۔

شفق انبالوی۔ ہجرت کے بعد انبالہ سے اٹک آ گئے۔ جامعہ حنفیہ کے پاس قلعی گری کی دکان تھی۔ کچھ عرصہ دہلی میں گزارا۔ اساتذہ کو سنا۔ شعر پڑھنے اور داد لینے کا انداز وہیں سے سیکھا ۔زندگی کے آخری ایام میں پنڈی چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے۔

عبدالغنی، مولانا۔ م 1959ء۔ شاہ سراج الحق گورداسپوری کے مرید اور خلیفہ۔ مدفن لاہور۔

عبداللہ جالندھری، مستری۔ دیکھو لذت آشنائی۔ا

عصمت اللہ: جوانا مرگ خوبصورت نوجوان۔ قبلہ عالم کا مرید جس کی یاد پر آپ غمزدہ ہو جاتے تھے۔

عطاء حسین، چودھری۔ حافظ مظہر الدین کے بہنوئی۔

عظیم بھٹی، 1936 میں شیں باغ (اٹک) میں پیدا ہوئے۔ مقامی کالج سے 1955 میں بی اے کیا اور پھر اسلامیہ کالج پشاور سے ایم اے اردو۔ کچھ عرصہ لاہور کے مختلف اداروں میں ملازمت کرنے کے بعد راولپنڈی آ گئے اور قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت سے مستقلاً منسلک ہو گئے۔ پنجابی زبان و ادب میں خاص ذوق کے حامل تھے۔ مختلف رسائل میں ان کے تحقیقی اور تخلیقی مضامین شائع ہوتے رہے مگر کوئی مستقل کتاب یادگار نہیں چھوڑی البتہ ایک اہم کتابوں پر مشتمل کتب خانہ موجود تھے اگر ان کی اولاد اس کو سنبھال سکے!

عمر بخش، ساحر صدیقی کے پڑدادا

گرامی جالندھری، عبدالقادر م ۱۹۲۷ء فارسی کے عظیم شاعر، علامہ اقبال کے گہرے دوست، نواب حیدر آباد دکن کے ملک الشعراء، میاں محمد شاہ بسی نو (ہوشیار پور کے مرید تھے مدفن ہوشیار پور۔

مسکین، حافظ۔ بولیانوال (اٹک) میں پیدا ہوئے۔ ساری عمر اٹک میں گذاری۔ محبتیں سمیٹیں مگر دفن بولیانوال میں ہی ہوئے۔ اچھے نعت گو طبلہ نواز سر تال کے پورے یہاں تک کہ رشید فریدی سا قوال بھی ان کا قدردان تھا۔

منصور تابش: ریڈیو پنڈی سے وابستہ، مشہور نعت خوان اور اپنی پرسوز آواز کے تصدق جنرل ضیاء کے مقرب ہو گئے۔ شعر بھی کہتے تھے۔

مودود چشتیؒ م ۵۲۷ھ اکابرین چشت سے ہیں۔ مدفن چشت (افغانستان)

مودودی، ابوالاعلیٰ، سید م ۱۹۷۹ء مشہور عالم دین۔ متعدد اہم کتابوں کے مصنف اور جماعت اسلامی کے خالق۔

مہر علی شاہ، م ۱۹۳۷ء۔ عظیم علمی اور روحانی شخصیت، سیف چشتیائی اور تحقیق الحق کے مصنف اور قادیانی تحریک کے ناطقہ بند۔ مدفن گولڑہ شریف۔

میر احمد شاہ، سید، ضلع اٹک کے مشہور لیگی رہنما۔ نشتر گورنمنٹ میں مشیر مالیات رہے بزرگ سیاستدان اور وکیل تھے۔ مدفن موضع مرزا (اٹک)۔

میراں بھیک، سید، م ۱۱۳۱ھ۔ شاہ ابوالمعالی امیٹھوی کے خلیفہ۔ ہندی کے مشہور صوفی شاعر۔ آپ کا کلام گیان لہر کے نام سے شائع ہو چکا ہے،

میراں شاہ 1839ء میں جالندھر میں پیدا ہوئے۔ پنجاب کی عشقیہ داستانوں، سوہنی مہینوال، ہیر رانجھا اور مرزا صاحباں کے شاعر۔

میکش، مولانا مرتضی احمد خان۔ دیکھو لذت آشنائی۔ا

نظام الدین تھانیسری۔م۱۰۳۶ء۔شیخ جلال الدین تھانیسری کے خلیفہ، کئی اہم کتابوں کے مصنف، جہانگیر کے عہد میں بلخ چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔

نعیم صدیقی۔م۲۰۰۲ء جماعت اسلامی کے مشہور کارکن، شاعر، صحافی اور سیرت نگار اور سیارہ کے مدیر، مدفن لاہور۔

وکیل اظہر فاروقی، راولپنڈی کے مشہور شاعر۔مدفن راولپنڈی

یوسف ظفر۔1914ء میں گجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔1943ء میں ''ہمایوں'' کے مدیر ہوئے۔پھر 1944 میں ریڈیو پاکستان راولپنڈی کے ڈائریکٹر بنے۔زہر خند اور زندان کے شاعر۔بھائی جان کے حلقہ ارادت میں داخل تھے اور ان کے ملفوظات کو جمع بھی کیا۔